عمل میں آیا ہے۔ یعنی عالی مقام انوار السادات صدرِ مصر۔

مصر کی موجودہ بڑی پیچیدگیاں چار ہیں جو حقیقی وجۂ اضطراب ہیں:

۱۔ اقتصادی حالات کی خرابی۔ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر اسلامی اور اشتراکی سارے عناصر متفق ہیں۔ اوّل تو صدر سادات کی غیر متوازن پالیسیوں کی وجہ سے اقتصادی صحت بحال ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر ستم یہ کہ مصنوعات سے لے کر افسروں اور کارکنوں تک ہر ضرورت باہر سے پوری کی جا رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف صنعتی ترقی ناپید، دوسری طرف مصر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ہر سال ایک نئی فوج بے روزگاری کے کیمپ میں لا کھڑی کی جاتی ہے۔ ایک طرف روسی ماہرین باوجود گہرے تعلقات کے خاتمے کے خاصی تعداد میں موجود ہیں، دوسری طرف امریکی ماہرین چلے آ رہے ہیں۔ پھر ایڈ کا چسکا جب کسی ملک کو پڑ جاتا ہے تو وہ ایڈ دینے والوں کے لیے بہترین منڈی تو بن جاتا ہے، مگر ایڈ کے بل پر وہ خود کفالت کی طویل راہ پر قدم بڑھانے میں بالکل ہی پھسڈی ہو جاتا ہے۔

حال یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے مصر اسرائیل دوستی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اسرائیل نے مرغیاں انڈے نہایت سستی قیمت پر مصر کے بازاروں میں ڈال دیے۔ کیونکہ مصر خود اپنے لیے مرغیاں انڈے بھی فراہم نہیں کر سکتا۔ صدر صاحب نے اسرائیل کے اس احسان کی بڑی تعریف کی۔ مگر دست نافہم اور احسان ناشناس قوم نے اسرائیلی مرغوں انڈوں کو خریدنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ مال اٹھوا کر واپس کرنا پڑا۔

اقتصادی بدحالی کی وجہ سے جو اضطراب اندر ہی اندر بڑھ رہا ہے اس پر نہ تو لاٹھی چارج کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ قبطیوں کا مسئلہ بھی بڑی گہرائی رکھتا ہے۔ مصر میں انیسویں صدی کے آخری حصے سے بیسویں صدی کے اوائل تک مسلمانوں میں دو تحریکیں اٹھیں۔ ایک مصطفےٰ کامل کی قیادت میں جس نے دین و وطن کو ہم آہنگ قرار دیا۔ اس کے مقابلے پر ایک لادین تحریک اٹھی جس کے ایک لیڈر عبدالحمید الزہراوی نے اپنے اخبار الجریدہ میں لکھا کہ جس اسلام کا سیاسی اتحاد حضرت عمرؓ کے دور کے ساتھ اور دینی اتحاد حضرت علیؓ کے انتقال

پر ختم ہو گیا - اس کے احیاء کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - یہ لوگ اسلام کی بنیاد پر قوم کی شیرازہ بندی اور سیاست کی تشکیل کے سخت مخالف تھے - مسلمانوں کے ان دونوں گروہوں میں تصادم تک نوبت پہنچی مصری قبطیوں نے اپنا وزن لادینی طبقے کے پلڑے میں ڈال دیا - جیسا کہ آج بھی ہر جگہ عیسائی اور دوسری غیر مسلم اقلیتیں کرتی ہیں -

دوسری طرف دونوں قسم کے مسلمان انگریزی استعمار کے خلاف جب جنگ لڑ رہے تھے تو انگریزوں کی خاص اکساہٹ اور پشت پناہی سے قبطیوں نے تعلیم، عہدوں اور معیشت کے میدان میں پر زور پیش قدمی کی - اس کے نتائج سے مصر آج تک نہیں نکل سکا - مزید یہ کہ مسلمان انگریزوں کی حکومت اور پالیسیوں سے تعاون نہیں کرتے تھے، مگر قبطیوں نے تعاون کیا - اور اسے نعمت غیر مترقبہ جانا - انگریزوں نے جس طرح برصغیر میں ہندو اکثریت کو مسلمانوں کے خلاف متحرک کیا، اس طرح مصر میں قبطی اقلیت کو استعمال کیا - نتیجہ یہ کہ مصری مسلمانوں اور قبطیوں میں ہمیشہ کے لیے سیاسی اور مذہبی اختلافات زور پکڑ گئے - سوال یہ پیدا ہو گیا کہ مصر کا غدار کون اور وفادار کون؟

اس سوال کا جواب قبطیوں نے اپنے اخبارات "الوطن" اور "مصر" (اجراء ۱۸۷۷ء) میں یہ دیا کہ ہم قبطی فرعون کی اولاد ہیں اور مصر کے اصل مالک - ہمارے جسموں میں بیرونی خون کی آمیزش نہیں ہے - اس طرز فکر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان اخبارات نے کیا زہر پھیلایا ہو گا - اور کیسی آگ بھڑکائی ہو گی -

آگے چل کے مسلمانوں میں ایک اور نقطۂ نظر ابھرا کہ اسلام ایک ذاتی اور نجی مذہب کے طور پر عقائد و رسوم کی حد تک ضرور رہنا چاہیے، مگر سیاسی نظام دنیوی مصلحتوں کے تحت چلنا چاہیے - دوسرے لفظوں میں دین اور سیاست کو الگ الگ رکھا جائے - اس تحریک کے پیچھے عالمی صہیونیت کام کر رہی تھی جس کا نشانہ ترکی خلافت اور سلطان عبدالحمید کی حکومت تھی - اس تحریک کا لٹریچر لبنانی، شامی، اور مصری عیسائیوں کا تیار کردہ تھا، جسے آج بھی دیکھا جا سکتا ہے - اس نظریے کے متعلق ایک مشہور اور اہم کتاب "ام القریٰ" ہے جسے عبدالرحمٰن الکواکبی نے لکھا تھا - اس تحریک کی لپیٹ میں وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ آیا جو اپنے حالات پر مغرب کی کشمکش ریاست و کلیسا کو چسپاں کرتا تھا - ایسے لوگ ہمارے یہاں بھی ہیں - پہلے زوروں پر تھے - اب ذرا استفار زیر ہیں -

ایک اور شاخسانہ یہ نکلا کہ برطانوی تہذیب کے زیر اثر زلیخا اور اس کی سہیلیوں اور قلو پطرہ کے

دیس میں، تحریک آزادیٔ نسواں پھوٹ نکلی جس کا فروغ سیکولر سیاست کے لیے ضروری ہے۔ اس آزادی نے وہ گل کھلائے کہ جنگِ عظیم اوّل کے بعد مصر کے شہروں میں لہو ولعب کے گندے اڈے کھل گئے۔ جہاں ابتدائی دور میں ملکوں ملکوں کے سپاہی اور جہازی عیش کرتے تھے اور پھر دنیا کے سیاحوں کی توجہ اِدھر مبذول ہوگئی۔ اس پہلو سے بھی بگاڑ پھیلانے میں قبطیوں نے بہت بڑا حصّہ لیا۔ آزادیٔ نسواں (تحریر المرأۃ) نے نوبت یہاں پہنچائی کہ عربی شاعر مصطفیٰ منفلوطی کے بقول:

”عورتوں نے نہ صرف اپنے چہرے اور ہاتھ کھول دیے بلکہ آہستہ آہستہ اپنے ساق وسینہ کو بھی عریاں کر دیا۔ ایسے ایسے تنگ لباس ایجاد کیے کہ برہنگی شرمسار ہوگئی۔ عورت اس درجہ برہنہ اور آبرو باختہ ہوگئی کہ مصر کا ہر باضمیر مسلمان چیخ اٹھا۔“

مسلمانوں اور قبطیوں کے درمیان تعلقات کا یہ نشوونما ہونے ہوتے یکایک ایک عجیب حادثہ رونما ہوا۔ ۱۹۰۹ء میں مصر کی وزارتِ عظمیٰ ایک قبطی بطرس غالی کے ہاتھ میں آگئی۔ مزید ستم یہ کہ اس کی بیوی یہودی النسل تھی۔ اس شخص نے ۱۹۱۰ء میں امریکی صدر کے استقبالیہ میں جو خطبہ دیا وہ مسلمانوں کے جذبات کے بالکل خلاف تھا۔ بطرس ابراہیم ناصف کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اس واقعہ کو قبطی اخبارات نے خوب اچھالا اور مغربی پریس تک اپنا پروپیگنڈا پہنچا دیا۔ ۱۹۱۱ء میں نئے وزیر اعظم ریاض پاشا نے اصلاحِ احوال کی کوشش کی مگر پانی سر سے گذر چکا تھا۔

قبطیوں کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے ایک نگاہ مسلم اکثریتی علاقوں میں سے لبنان، نائیجیریا اور سوڈان کی تاریخ پر ہونی چاہیے، اور عیسائی اکثریت کے علاقوں میں سے فلپائن، یونان، حبشہ اور اریٹیریا کے حالات پر۔ ہم کوئی تفصیل یہاں نہیں دے سکتے۔ آپ تاریخ ہی سے قصہ دریافت کریں۔ بس جو صورت دوسری جگہوں پر ہے وہی مصر میں ہے۔ مسلمان اکثریت میں ہوں تو اقلیت کا لٹھ اُن کے سروں پر، اور اقلیت میں ہوں تو اکثریت کی چھری اُن کی گردنوں پر!

مصر کے قبطیوں کا مسئلہ سمجھنے کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ مسلمان مصریوں کے اندر جب کبھی قوت کی لہر اٹھتی ہے یا اُن کے لیے کوئی مشکل پیدا ہوتی ہے تو لازماً قبطی مسلم فسادات شروع ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے اور اسرائیلی دوستی اور بیگن کی آمد ورفت کے خلاف جب مسلمان احتجاج کرتے ہیں تو قبطی اُن کے خلاف حکومت کی حمایت میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسلم صحافی،

پروفیسر، علماء، عوام اور نوجوان ایک طرف اور حکومت اور قبطی دوسری طرف۔ اندازہ کیجیے کیسی ٹیڑھی صورتِ حالات ہے جو حکومت اور عوام کو کبھی ایک دوسرے کے قریب آنے نہیں دیتی اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حکومت مسلمانوں ہی پر ظلم ڈھاتی ہے۔ قبطی تماشا دیکھتے ہیں۔

مثلاً ۱۹۷۰ء میں قاہرہ اور اسکندریہ میں غذائی بحران کے خلاف جو مظاہرے ہوئے وہ قبطیوں کی انگیخت کے مرہونِ منت تھے۔

پھر ۱۹۷۲ء کے ہنگامے اُس موقع پر ہوئے جب اسلام سے برگشتہ کیے جانے والے بعض مسلمانوں کی ہمت افزائی اور انہیں بشارت دینے کے لیے عیسائی مبشرین کی جماعت میدان میں آئی۔

جامعہ خانکہ سال ۱۹۷۷ء کے فسادات کا باعث پوپ شنودہ کا امریکہ کی طرف جھکاؤ تھا اور کارٹر سے اس کی ملاقات جس کا ظاہری عنوان یہ تھا کہ امریکہ کی مالی امداد سے مصر میں جامعۂ قبطیہ قائم کیا جائے۔

جامعہ اسیوط کے فسادات ۱۹۷۸ء میں اُس وقت ہوئے جب کہ حکومت کے خلاف اسلامی عناصر کا اظہارِ اختلاف زوروں پر تھا۔

زاویۃ الحمرا کے فسادات ایسے موقع پر ہوئے جب کہ عراق کی ایٹمی تنصیبات پر اسرائیلی حملے کے خلاف اسکندریہ میں مظاہرات ہوئے اور جامعہ ازہر میں اسلامی جماعتوں کی موتمر کا انعقاد ہوا۔

کنیسہ شبرا کے فسادات خطبائے مساجد کی گرفتاریوں کے موقع پر ہوئے۔

فسادات کا بٹن (SWITCH) دبانے میں پہل بھی بالعموم قبطی کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو خود اشتعال دلاتے ہیں۔ مثلاً جون ۱۹۸۱ء کے مظاہرے وزیر اعظم اسرائیل کی آمدِ مصر کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے حکومت کے خلاف (نہ کہ قبطیوں کے خلاف) کیے گئے مگر چونکہ قبطی بیگن کی آمد پر بہت خوش تھے، لہٰذا انہیں مسلمانوں کے مظاہرے سخت کھلے اور چبھے۔ انہیں یہ بھی حوصلہ تھا کہ حکومت ہماری پشت پر ہے۔ لہٰذا عین اُس وقت جب کہ مسلمان ایک جامع مسجد میں اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے، قریب ہی سے قبطیوں نے اُن پر گولی چلا دی۔ اب آپ خود سوچ لیں کہ آگے کیا ہونا چاہیے تھا۔

"المجتمع" کویت ان فسادات کی پُراسراریت پر لکھتا ہے کہ:-

"جب کوئی صاحبِ نظر ان حوادث کو دیکھتا ہے تو وہ یہ حقیقت پا لیتا ہے کہ یہ ہمیشہ ایسے وقت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں جب سادات کی مخالفت بڑھ جاتی ہے۔"

دوسرے لفظوں میں قبطی فسادات حکومت کے تحفظ کی ڈھال ہوتے ہیں۔
اِس سلسلے میں بس ایک آخری بات!
امریکہ میں کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کا سلسلہ شروع کرتے وقت ہی سے صدر سادات کو احساس تھا کہ مخالفت ہوگی اور بطورِ خاص اسلامی رجحان کے لوگ پیش پیش ہوں گے۔ امتیازی نظر کرم اخوان المسلمون اور اُن کے مُرشدِ عام جسٹس عمر تلمسانی اور نوجوانانِ اسلام پر تھی۔ صدر سادات نے اپنے نائب صدر کو یہ فریضہ سونپا کہ وہ اخوانیوں اور دوسرے مسلمانوں کو کچلنے کے لیے ایک کمیٹی بنا کر نقشہ تجویز کرے۔
ذرا اس کمیٹی کے افراد پر نگاہ ڈال لیجیے۔

۱۔ قاہرہ میں امریکی سفیر کے مشیر ۲۔ قاہرہ میں اسرائیلی سفیر کے مشیر
۳۔ مصری وزیرِ داخلہ اسمٰعیل نبوی (قبطی) ۴۔ مکرم عبید (قبطی)

اس کمیٹی کے بعض خفیہ پروگرام اخبارات تک پہنچ گئے۔ اور اُن پر بحث ہوئی۔ حتیٰ کہ پاکستانی اخبارات میں یہ بحث چلی۔ بلی کا وقت سے پہلے تھیلے سے باہر آنا خطرناک تھا۔ لہٰذا حکومتِ مصر نے ساری بحث کو غلط پروپیگنڈا قرار دیا اور کہا کہ ایسی کوئی اسکیم ہمارے سامنے نہیں ہے۔ یوں کمیٹی کے تھیلے کی سلائی کرکے اُسے سربمہر کر دیا گیا۔ مگر آج جب مُہر ٹوٹی تو بلی پوری طرح باہر آگئی۔ بلکہ اب تو وہ اچھا خاصا چیتا بن چکی تھی۔ وہی ساری باتیں سامنے آگئیں جو اُس وقت اخبارات نے چھیڑی تھیں۔ یعنی امریکہ، اسرائیل اور قبطیوں کے نمائندے بیٹھے کرنے کے لیے جمع کیے گئے تھے کہ اخوان اور دیگر ضمیر دار مسلمانوں کے خلاف کارروائی کس طرح کی جائے۔
یہ ہے قبطیوں کا مسئلہ، جن کی تعداد مصر میں ایک کروڑ تیس لاکھ ہے۔

مصر کا تیسرا مسئلہ اسرائیل سے معاملہ کرنے کا ہے۔ تین ہی راستے ہیں: اوّل جہاد، دوم خاموش تعطّل، سوم دوستی۔ صدر سادات نے تیسرا راستہ اختیار کیا۔ اور امریکہ نے انگلی پکڑ کر انھیں اس راستے پر چلایا، یہاں تک کہ بات کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے تک پہنچی۔
کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کی راہ میں مصر کے مسلم عوام اور اُن کے سیاسی و دینی رہبر حائل ہیں، سب سے

بڑھ کر یہ کہ یونیورسٹیوں کے نوجوان طلبہ حائل ہیں۔ ایک مشہور خطیب نے خطبہ دیتے ہوئے عوام کے افکار و جذبات کی بڑی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ یہ ذکر ہے شیخ احمد المحلاوی کا جن کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ اپنے خطبوں میں صدر صاحب کا نام لے کر اُن پر جھوٹ، فساد، حقائق کے متعلق فریب کاری اور علم و ایمان کی تضحیک کی ذمہ داری ڈالنے والے واحد خطیب ہیں۔ پورے مصر میں اور کوئی ایسی مثال نہیں۔ شیخ المحلاوی بعض اہم چیزوں پر گرفت کرتے ہیں۔ ہم ان کو تلخیص کر کے عرض کرتے ہیں:۔

— وہ حکومتی گروہ کی سیادت کے لیے صدر سادات کے عہد کو غیر دستوری قرار دیتے ہیں۔

— وہ پارلیمان سے بالا بالا ہونے والی قانون سازی یا عہدا جاری کئے احکامات کو خلاف دستور کہتے ہیں۔

— وہ صدر سادات کی سربراہی میں کام کرنے والی حزب الوطنی (یا نیشنل پارٹی) پر سخت تنقید کرتے ہیں، خصوصاً انتخابات میں اس کی دھاندلیوں پر۔

— وہ کیمپ ڈیوڈ والے معاہدے کو دستاویز ذلت قرار دیتے ہیں۔ اور صاف صاف کہتے ہیں کہ معاہدے بھی غلط اور سادات کی سیاست بھی غلط۔

— وہ کہتے ہیں کہ صدر صاحب بیگن کے ساتھ جمعرات کے دن شرم الشیخ کے مقام پر کس لیے ملے؟ کیا صدر صاحب اِس یہودی کے پھندے میں گرفتار ہو چکے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ کیوں اپنے آپ کو یگانۂ روزگار قائد سمجھتے ہیں؟ کیا یہ سبز روشنی ہے جو جھلملا رہی ہے؟ لوگ کیا کہتے ہیں۔ اس فاجر یہودی بیگن نے حکومت مصر کے منہ پر سیاہی لیپ دی ہے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ مصر کے مسلمانوں کی تذلیل ہوئی ہے، کیونکہ مسلمانوں نے تو اس دوستی کو قبول ہی نہیں کیا ہے۔

— صدر سادات کہتے ہیں کہ ہمارا حملۂ اکتوبر آخری لڑائی تھی۔ اب کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں بھی لڑائی نہیں ہوگی جب کہ وہ مقدس مقامات کی بے حرمتی کریں۔ جب کہ وہ تمام حدود کو توڑ دیں، جب کہ وہ سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں کو قید میں ڈال دیں۔ یہاں تک کہ چاہیں تو وہ ہمارے اس ملک کی دولت کو لوٹ لے جائیں۔ یہ کچھ ہے اے عوام! جو تمہارے حکام نے شرق و غرب سے تمہارے لیے سمیٹا ہے۔

کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے اور مصر اسرائیل دوستی کے خلاف اتنی نفرت ہے کہ جیسے کہ ہم نے اُوپر بتایا اسرائیل کی سستی مرغیوں اور انڈوں کا عوام نے بائیکاٹ کیا اور سارا مال واپس اُٹھوا دیا۔ اسی طرح جب

بیگن صاحب حال ہی میں مصر میں دوستی کا جھنڈا گاڑنے کے لیے تشریف لے گئے تو مصریوں نے بہت بُرا مانا اور مظاہرے کئے۔ سادات صاحب قوم کے حلق سے اس ہڈی کو اُتارنا چاہتے ہیں، مگر وہ بُری طرح اٹک گئی ہے۔

سیدھا سا مسئلہ سیاست یہ ہے کہ یا تو کسی اقدام سے پہلے رائے کو اس کے لیے تیار کرو، یا بعد میں لوگوں کو مطمئن کرو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر بجائے اس کے کہ لاٹھیوں سے لوگوں کے سر پھوڑے جائیں اور انہیں جیلوں میں ٹھونس کر اذیت دی جائے یا اُن کی گردنیں توڑنے کی دھمکیاں دی جائیں۔ اُس قدم کو واپس لے لو جو قوم کو پسند نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں تو پھر مستعفی ہو جاؤ۔ مگر حکام خصوصاً ڈکٹیٹر حضرات اس سیدھے راستے کو اختیار نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ ٹیڑھے راستوں پر چلتے ہیں اور قوم کو مار پیٹ کر اپنے ساتھ گھسیٹتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دن یکایک انہیں معلوم ہوتا ہے کہ سر پر تاج نہیں، اور نشست کے لیے تخت نہیں، بلکہ اتنا ہی بہت ہے کہ جان سلامت ہے۔

اس صورتِ حالات نے مصر کو اس مقام پر پہنچایا ہے کہ یہ ملک عربی اقوام سے کٹ گیا ہے اور عرب لیگ سے اس کا اخراج ہو چکا ہے۔ دوسری طرف امریکہ کا پروگرام یہ ہے کہ وہ مصر میں اسرائیل سے بھی بڑا اڈا قائم کرے تاکہ تیل کے علاقوں کو ایک طرف سے اسرائیل اور دوسری طرف سے امریکہ اپنی زد میں رکھے۔ چنانچہ سرزمینِ مصر پر امریکی فوج موجود ہے اور اس کی جنگی مشقیں ہوتی رہتی ہیں۔

اپریل ۱۹۸۱ء کے الدعوۃ میں جسٹس عمر تلمسانی نے بھی صاف صاف لکھ دیا کہ کیمپ ڈیوڈ کا سمجھوتہ قرآن و سنّت اور عالمِ اسلام کے ساتھ ایک مذاق ہے۔

اب ہم مصر کے چوتھے بھاری مسئلے کو لیتے ہیں۔ یہ ہے تحریکِ احیائے اسلام کا مسئلہ!

پہلے تو تمہیداً میں یہ کہنا چاہتا ہوں تقریباً سارے ہی مسلم ممالک کو اس صورتِ حالات کا سامنا ہے کہ ایک طرف ہر جگہ کے حکمران طبقے، بیوروکریسی کے کل پرزے اور جدید مغربی تعلیم کے سحر زدہ عناصر لادینی طرزِ فکر کے حامل ہیں۔ دوسری طرف ہر جگہ مسلمانوں کے اندر قدیم اور جدید دونوں طرح کے مردانِ کار تیزی سے احیائے اسلام کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں۔ اوّل الذکر طبقے کا زور ٹوٹ رہا ہے۔ گو وہ آخری حد تک اسلام

کے اقدام کو رد کرنے کے لیے اڑنگے لگا رہا ہے۔ یہ پروپیگنڈا، سازشیں، شرارتیں، سیاسی استبداد وغیرہ حربوں سے تاریخ کی بڑھتی ہوئی رَو کو رد کرنے کی کوششیں تو در پے ہیں۔ مگر اسلام کو ایک کارفرما قوت کی حیثیت دلانے کی سعی و جہد کرنے والی طاقت ہر جگہ بڑھ رہی ہے۔ یہ تحریک عجیب و غریب ہے کہ دُنیا کے کمزور ترین مسلمان بھی اس سے سرشار ہیں اور دبائے اور ستائے جانے کے باوجود اپنے عزائم کا پرچم اُٹھائے ہوئے ہیں۔ مسلمان جماعتیں پھیلنے اور اُبھرنے کے لیے زور لگا رہی ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے مُلکوں میں جو بھی حکمران آتے ہیں۔ وہ نئی اُبھرنے والی قوتوں سے ہم آہنگ ہو کر اُن سے قومی زندگی کی تعمیر کا کام لینے کے بجائے اُن کو بار بار ختم کرنے کے لیے زور لگاتے ہیں، مگر وہ ہر آزمائش کے بعد نئی کونپلیں اور بھی تیزی سے چھوڑنے لگتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ غلط الفکر سیکولر مزاج حکمران بار بار پیچیدگی سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کے دماغوں کی نسوں میں پڑی ہوئی گانٹھ کسی طرح کھلتی ہی نہیں۔ کیا یہ لوگ ہر جگہ ایسے سیلابِ تند کے منتظر ہیں جو اِن کو مع ان کے طرز فکر اور اُن کے حمایتیوں کے بہالے جائے۔

صدر سادات بھی اپنے ذہنی بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور غصّے میں آکر کہتے ہیں کہ میں سارے سمندر کو ملیامیٹ کر دوں گا۔ اور تمام موجوں کو گرفتار کر کے شکنجۂ عقوبت میں کس دُوں گا۔ آہ دوسروں کی خوشنودی پر اپنی قوموں کو تباہ کرنے والے یہ لوگ!! ــــ انہیں سمجھ میں نہیں آرہا کہ تاریخ کیوں انگڑائیاں لے رہی ہے اور ستاروں کی گردش کیوں تیز ہے؟

مصطفےٰ کامل کا ہم ذکر کر چکے ہیں، مصر کا یہ سرفروش، اسلام کا محب اور عوام کا معتمد رہنما ۱۹۰۸ء میں دُنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس کی تحریک نے لادینی عناصر اور تفریقِ دین و سیاست کے علمبرداروں کا زور توڑنے میں خاصا کام کیا۔ قدرت نے اُس کا خلا بہترین طور پر پُر کرنے کے لیے قاہرہ کی بستی محمودیہ میں ایک بچے کو آغازِ حیات کا اذن دیا جو آگے چل کر الامام حسن البناءؒ کے نام سے معروف ہوا۔ اِس شخص نے قہوہ خانوں اور ہوٹلوں میں جا جا کر وہاں جمع ہونے والے نوجوانوں اور ملازموں اور محنت کاروں تک دعوتِ حق ایسے مؤثر انداز میں پہنچائی کہ لبیک کہنے والوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی گئی۔ اسلام کے ان سپاہیوں کو الاخوان المسلمون کے نام سے منظم کیا گیا۔ گذشتہ جنگِ عظیم کے خاتمے پر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے الاخوان نے زوردار عوامی تحریک چلائی۔ پھر تنظیم میں اتنا پھیلاؤ آیا کہ فعّال کارکنوں کی تعداد ۵ لاکھ

تک پہنچ گئی۔

انگریزی دور میں نقراشی پاشا اس تحریک کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکا اور مستعفی ہوگیا۔ پھر اسمٰعیل صدقی پاشا نے حکومت سنبھالی تو اخوان کے خلاف شدید کارروائی کی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں اخوان نے ازہر سے بہت بڑا احتجاجی جلوس نکالا جس کی قیادت حسن البنا کر رہے تھے۔ جلوس نے تمام عرب حکومتوں سے مطالبہ کیا کہ اسرائیل کے خلاف اعلانِ جہاد کیا جائے۔ اس جلوس اور اس مطالبے سے انگریز اور یہودی دونوں چکرا گئے۔ تب ۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو مارشل کے حکم نمبر ۳ کے تحت اخوان کو خلافِ قانون قرار دیا گیا۔ ساتھ ہی اخوان پر شدید مظالم کا دور شروع ہوگیا۔ بعد ازاں ابراہیم پاشا وزیراعظم بنا اور رہی سہی کسر پوری کر دی۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کی شام کو حسن البنا سرِراہ شہید کر دیے گئے۔

پھر ۱۹۵۴ء میں صدر ناصر نے اخوان کو خلافِ قانون قرار دیا، رہنماؤں کو گرفتار کیا۔ موت کی سزائیں دیں، جیلوں میں اذیتیں دی گئیں۔

سید قطب جو ۱۹۶۴ء کے وسط تک جیل بھگتتے رہے، رہائی کے بعد ان کو اگست ۱۹۶۶ء میں پھر پکڑ لیا گیا۔ اور فوجی ٹربیونل میں مقدمہ چلا کر انہیں سزائے موت دے دی گئی۔ یہ محض اسلامی نظریات کی علمبرداری کی سنگین سزا تھی جو ایک خاموش طبع مفکر و مصنف پر نافذ کر دی گئی۔ مگر سید قطب کے افکار اور تحریروں کو پھانسی نہ دی جا سکی۔

۱۹۶۷ء میں صدر ناصر پر دل کا دورہ پڑا، جب تک جیے تو وہ محض ذہنی دورے میں مبتلا رہے۔

۷۲-۱۹۷۱ء میں صدر سادات آئے تو انہوں نے اخوان کے خلاف پابندیوں کو نرم کیا اور رہائیاں عمل میں آئیں۔

صدر سادات کے اقتدار پر آنے کے ۲ برس بعد مصری فوج نے نہر سویز پار کر کے اسرائیل سے مصری مقبوضات واگذار کرانے کے لیے جنگ کی۔ اس کامیاب اقدام نے صدر سادات کو مضبوط کر دیا اور مصری قوم کو متحد۔ اس مرحلے پر صدر سادات نے روس سے تعلقات ختم کر دیے۔ اور امریکہ سے پینگ اتنی بڑھائی کہ امریکہ نے سادات کو مصر اور اسرائیل کو دوستی کی راہ پر ڈال کر یروشلم پہنچا دیا۔ نومبر ۱۹۸۰ء میں یروشلم پوسٹ کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات بڑھائیں گے خواہ ان کی کتنی ہی مخالفت کی جائے۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ آسیوط یونیورسٹی کے مسلم طلبہ نے سادات کے خلاف

مظاہرے کیے جب کہ قبطی طلبہ نے مقابلے پر سادات کی حمایت میں جلوس نکالا۔ تصادم کے خطرے کو روکنے کے لیے یونیورسٹی بند کر دی گئی۔

• یاد رہے کہ ماضی میں اخوان پر جو ظلم توڑے گئے تھے اور آج تک جو پابندی اُن پر جاری تھی، ان کی وجہ سے اخوان المسلمون نامی تنظیم کی جگہ یونیورسٹی، مسجدوں اور محلوں میں بے شمار اسلامی تنظیمیں رونما ہو گئیں جن میں مصری نوجوان حصہ لے رہے تھے۔ ڈاڑھیاں تیزی سے نوجوان چہروں پہ نمودار ہونے لگیں اور خواتین چادریں اور اسکارف اوڑھنے لگیں۔ بعض نے ایسے برقعے پہن لیے جن میں آنکھوں کے سوا سارا جسم ڈھنپ جاتا۔ نائٹ کلبوں اور شراب خانوں والے مصر میں تہذیب کا یہ حشر ہو رہا تھا تو کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے۔

صدر سادات کو ڈاڑھی اور پردہ، دو چیزیں بہت ناپسند ہیں، اور ہر سیکولرسٹ کا یہی خاصا ہے۔ وہ برابر اس بڑھتے ہوئے اسلامی رنگ پر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مصر کے اضطراب انگیز حالات میں عوام کی ذہنی رہنمائی پوری طرح اسلامی عناصر کے ہاتھ میں تھی۔ اسی وجہ سے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق اُن پر بھرپور وار کیا گیا۔ یہ اسی تاریخی لہر کو روکنے کی ایک اور کوشش ہے جس کے خلاف نقراشی پاشا سے لے کر صدر ناصر تک مختلف لوگ پورا پورا زورِ بازو صرف کر چکے تھے۔ اس لڑائی کے جرنیلوں نے پچھلے عرصے میں مجموعی طور پر مصری مسلمانوں کی جو قوت برباد کی ہے اُس کے مقابلے میں اگر نتائج کو سامنے رکھ کر سوچا جاتا تو اس "لاحاصل بربادی" کے بجائے قوم کی اکثریت کے اُبھرتے ہوئے دینی رجحانات کو قبول کر لیا جاتا۔ مگر بادشاہتیں اور آمریتیں اس طرح سوچا نہیں کرتیں۔ وہ بار بار کی شکست کے باوجود وقت سے لڑتی رہتی ہیں۔

متذکرہ چار وجوہ سے صدر سادات اس وقت ذہنی اضطراب کے ایک خطرناک گرداب سے دوچار ہیں۔ اس حالت میں وہ جو کچھ کر گذریں بعید نہیں۔ مگر گرداب کی گرہ کھولنے کی حکمت اُن کو نہیں آتی۔

ڈکٹیٹر دیکھنے میں خوفناک حد تک مضبوط ہوتا ہے، مگر فی الحقیقت حد سے زیادہ کمزور۔ تنقید و اختلاف کی آواز اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، کوئی مخالفانہ تقریر ہو جائے تو وہ غصّے سے کانپنے

لگتا ہے۔ کوئی چھوٹا سا مظاہرہ ہو جائے تو اُس کی جان پر بن جاتی ہے۔ محاورے کی زبان میں پتہ کھڑکے تو اُس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر پیچ در پیچ مسائل اس سے اپنا حل مانگنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور وہ حل پیدا نہ کر سکے تو پھر وہ ساری قوم سے لڑ جاتا ہے۔

اب جو کارروائیاں مصر میں ہوئی ہیں ان میں کوئی توازن نہیں، ان کی بنیاد کسی معقول منطق اور ٹھوس استدلال پر نہیں۔ اندھا دھند فیصلے ہیں جنہوں نے سارے معاشرے کو تلپٹ کر دیا ہے۔

۶ سیاسی اور مذہبی اخبار بند کر دیے گئے۔ ۶۷ صحافیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ اسلامی تنظیموں کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ اور اُن کی املاک ضبط کر لی گئیں۔ جسٹس عمر تلمسانی جیسے دینی قائد، محمد حسین ہیکل جیسے ادیب و صحافی، شیخ عبدالحمید کشک جیسے خطیب اور ابو اسمٰعیل جیسے رکن پارلیمان کو گرفتار کر لیا گیا۔ صدر سادات کے اپنے ابتدائی اعلان کے مطابق مجموعی طور پر ۱۵۷۵ (بقول نیوز ویک ۳½ ہزار سے زائد) گرفتاریاں کی گئیں۔ نشانہ بننے والوں میں ادیب، صحافی، دانشور اور علماء سب طرح کے لوگ شامل ہیں۔ واضح رہے کہ "یہ کارِ خیر" ابھی جاری ہے۔ پروفیسروں اور صحافیوں کے بکثرت تبادلے کیے جا رہے ہیں۔ ۴۰ ہزار مساجد کو حکومت کی تحویل میں لینے کا فیصلہ سُنا دیا گیا ہے۔ اور فوری طور پر ۶ "خطرناک" مساجد پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ یونیورسٹیاں پولیس کے حوالے کر دی گئی ہیں۔

اِن اقدامات کا اصل نشانہ چونکہ اخوان المسلمون ہیں، اس وجہ سے صدر سادات نے پارلیمنٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اور ٹیلی وژن سے قوم کو خطاب کرتے ہوئے، نیز پریس کانفرنس میں اُن پر زبردست حملے کیے ہیں۔ فرمایا:

"یہ لوگ اس سال کے اوائل میں فرقہ وارانہ فساد کرانے میں ملوث تھے۔ اخوان مذہب کی آڑ میں دہشت گردی پھیلا رہے تھے۔ مسجدوں میں مذہب کو سیاست سے خلط ملط کر رہے تھے۔ مصر کو مذہبی اور سیاسی انتہا پسندوں اور بدنظمی پھیلانے والوں سے نجات دلانے کی مَیں نے قسم کھائی ہے۔ اب مَیں اس تنظیم کے ساتھ کوئی نرمی نہیں برتوں گا، بلکہ بے حد سنگدلانہ اور بے رحمانہ اقدامات کروں گا۔ اگر کسی مذہبی انتہا پسند کے پاس اسلحہ پایا گیا تو مَیں اُس کی گردن توڑ دوں گا۔ مَیں جنونیوں سے نمٹ رہا ہوں۔ اُن کے باعث مُلک کے جمہوری عمل کو خطرہ ہے۔"

ہم نے مختلف اقوال کو یک جا کر دیا ہے۔ آخری جملہ بڑے کمال کا ہے۔ جمہوریت کی پرورش ڈکٹیٹر شپ کی گود میں ہونے کی کرامت مصر میں کوئی برگ و بار لے آئے تو خوب ہو گا۔ امریکہ جیسے حامی مصر ملک کا ہفت روزہ نیوز ویک مصری جمہوریت کو "ناتواں جمہوریت" (FRAIL DEMOCRACY) قرار دیتا ہے۔ ہماری نگاہ میں فالج زدہ بھی ہے۔

اب ذرا اوپر کی کارروائیوں کو دیکھیے اور متذکرہ الفاظ کو پڑھیے۔ کیا یہ سب کچھ سیکولر انتہا پسندی اور جنونیت کا بہترین نمونہ نہیں ہے۔ نہ کسی عدالت کا ذکر، نہ قانون کا حوالہ، بس سیدھے سیدھے یں یہ کروں گا۔ کیا اسی "بیں" کے بیج سے جمہوریت پھوٹے گی؟

صدر سادات کے ذہن پر خمینی انقلاب بری طرح سوار ہے۔ ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ وہ نہ تو "شاہ ایران" ہیں اور نہ مصر کو ایران بننے دیں گے۔

ضمناً یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ اصل لڑائی تو ہوئی مذہبی جنونیوں سے، مگر عوام کی توجہ بٹانے اور حکومت کی مجبوریوں کا احساس دلانے کے لیے عین اسی موقع پر روسی سازش کا شاخسانہ بھی کھڑا کر دیا گیا ہے۔ پہلے کہا گیا کہ ایک سازش، پھر اطلاع دی گئی کہ تین سازشیں۔ دو چار دن بعد پانچ سات بھی ہو سکتی ہیں۔ روس کو تو سازشیں کرنا ہی ہیں۔ اس میں نئی بات کیا ہے؟

دعویٰ یہ ہے کہ روسی سفیر ایک ایسی سازش کے سرغنہ تھے جس میں مشرقی بلاک کے متعدد سفارت خانے اور مصری کمیونسٹ ملوث تھے۔ نیز یہ کہ روسی سفارت خانے میں کے جی بی کے کئی ارکان کام کر رہے تھے۔ روسی سفیر ولادیمیر پولیا کوف اور ۶ دیگر روسی سفارت کاروں کو ۴۸ گھنٹے میں مصر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔ ۴ روسی صحافیوں کو بھی سازش میں حصہ لینے کے الزام کے تحت نکال دیا گیا۔ ۲۳ مصری باشندوں کو اسی سازشی چکر کی لپیٹ میں لیا گیا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ایسے تمام معاہدے منسوخ کر دینے کا اعلان کر دیا گیا ہے جس کی رو سے روسی شہریوں کو مصر میں بین الاقوامی اداروں کے اندر کام کرنے کی اجازت تھی۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مصر میں روسی سفارت خانے میں اتنی ہی تعداد ارکان ہونی چاہیے جتنی روس میں مصری سفارت خانے کے ارکان کی ہے۔ اس وقت روس کے ۱۴۰ ارکان کے مقابلے میں مصر کے ۱۰ ارکان کام کر رہے ہیں۔

روسی سازش کے علاوہ ایک اور اقدام یہ کیا گیا کہ قبطیوں کے پوپ شنودہ کی پاپائیت کو ختم کر کے

اُسے دُور کی ایک دیہاتی خانقاہ میں زیرِ نگرانی رکھا گیا ہے۔ اس گرفتاری کے متعلق نیوز ویک تک نے یہی لکھا ہے کہ یہ محض دکھاوے کا ایک اقدام ہے تاکہ مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ نزلہ انہیں پر گرا ہے، قبطیوں کو بھی حصّہ دیا گیا ہے۔

اب ذرا اجمالاً اُس ردِّ عمل کا بھی جائزہ لے لیجیے جو حکومت کے اقدامات کے نتیجے میں نمودار ہوا۔
سب سے پہلے تو سامنے آتی ہے بشپ شنوڈیل کی مبارک باد۔ ظاہر ہے کہ حالیہ واقعات پر قبطیوں کو مسرت کیوں نہ ہوئی ہوگی۔ اسرائیل نے بھی گھی کے چراغ جلائے ہوں گے۔ امریکہ نے تو گویا مصری ڈپلومیسی کو پوری طرح فتح کر لیا۔ امریکہ جہاں جائے کمیونسٹوں سے بڑھ کر اسلامیوں کو مروانا ہے۔
پھر قابلِ توجہ ہے سعودی عرب کی طرف سے سادات کی تائید و حمایت۔ وجہ ظاہر ہے کہ تجدید پسند مسلم نوجوانوں کی طاقت سے جو ڈر سادات کو ہے وہی سعودی عرب کے حکمرانوں کو ہونا چاہیے۔ مگر سعودی عرب کے لیے بہتر یہ تھا کہ اسلامی تنظیموں اور مسلم نوجوانوں کی مظلومیت پر اظہار درد کر کے اُن کے جذبات کو ساتھ لینا۔ دوسروں کے مقابلے میں آنے سے پہلے از خود اُن کے مقابلے پر جا کھڑے ہونا مفید نہیں ہے۔
اصل مبحث یہ ہے کہ خود مصر میں کیا ہوا؟
قاہرہ کے الاہرام میں ۱۱ ستمبر کو یہ اطلاع شائع ہوئی کہ مسجد النور سے بہت بڑا جلوس نکلا اور مظاہرہ ہوا۔ تفصیلی قصہ یہ ہے کہ الشیخ عبدالحمید کشک، شیخ احمد المحلاوی اور شیخ صباح ابو اسمٰعیل (رکن پارلیمنٹ) جیسے عظیم المرتبت خطیبوں کو گرفتار کر لیا اور اُن کی جگہ سرکاری خطیب بھیجے گئے۔ سرکاری خطیب مسجد النور میں پہنچا تو اذان ہوتے ہی لوگوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے شروع کر دیے۔ خطیب کو بولنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ محافظین کے حلقے میں وہ ہجوم سے بچ بچا کر نکلا۔ نمازِ جمعہ کے بعد ہزاروں مسلمان قرآن سروں پر رکھے اور کلمہ پڑھتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔ ان لوگوں نے صدر سادات کی پالیسیوں کے خلاف نعرے بھی لگائے۔ پولیس نے روکنا چاہا تو ہجوم نے پتھراؤ کیا۔ آخر لاٹھی چارج کیا گیا۔ اور آنسو گیس برسائی گئی۔ ہزاروں آدمی زخمی ہوگئے۔ اور سیکڑوں نوجوان طلبہ گرفتار کر لیے گئے۔
اسی طرح جامع دیر الملاک میں شیخ عبدالحمید کشک خطیب تھے۔ اُن کے خطبات کی کشش کا حال یہ تھا کہ لوگ گروہ در گروہ آتے اور مسجد کے اردگرد کی تمام سڑکیں نمازیوں سے بھر جاتیں۔ اب جو شیخ کو گرفتار

کیا گیا تو لوگ اُن کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ چنانچہ یہاں بھی وہی ہوا۔ ہزاروں افراد کا ہجوم مظاہرے کے لیے نکل آیا۔ لاٹھی چارج ہوا، بے شمار لوگ زخمی ہوئے اور گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

اخبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس روز ۳۰ ہزار افراد سڑکوں پر آگئے تھے اور جا بجا پولیس سے جھڑپیں ہوئیں۔

ردِّ عمل ابھی جاری ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب کیا ہوگا۔

اخوان کے لیے ہمارے سینوں میں سچی ہمدردیاں ہیں۔ اُن کی ہر تکلیف میں ہم حصہ دار ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ صدر سادات زنجیروں اور لاٹھیوں سے رائے عام کا رُخ بدلنے اور تحریک احیائے اسلام کے آگے بند باندھنے کے بجائے اگر حکمت و تدبر اور صداقت و انصاف کا راستہ اختیار کریں تو اُن کے لیے بھی بہتر ہے اور ملک و قوم کے لیے بھی۔

ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اخوان چند سرپھرے اور جنونی افراد کا نام نہیں، بلکہ یہ ہزاروں لاکھوں افراد کا کارواں ہے جس میں خدا اور رسولؐ پر سچے ایمان کے ساتھ جدید علوم سے آراستہ مدبرین اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد ہے اور یہ مصر ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ پورے عالم عرب میں پھیل چکے ہیں۔ بلکہ برطانیہ، امریکہ اور یورپ میں ان کے حلقے کام کر رہے ہیں۔ یہی نہیں، دنیا کے کسی گوشے میں جہاں بھی احیائے اسلام کی تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ وہاں وہاں اُن کے ہزاروں بھائی پھیلے ہوئے ہیں۔

عالمِ اسلام کی یہ عظیم تاریخی قوت جس کی ایک بڑی صف اخوان ہیں، اُسے اب نہ زنجیریں پہنا کے روکا جا سکتا ہے اور نہ اُسے گولیوں کا نشانہ بنا کر ختم کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح اس کے سامنے اس پر ظلم کرنے والی مختلف قہرماں قوتیں پچھلی نصف صدی میں ختم ہو چکی ہیں۔ اسی طرح مزید بدمستانِ اقتدار اسٹیج پر اپنا خوفناک جلوہ دکھا کر رخصت ہو جائیں گے۔ باقی صرف وہ رہے گا جو خدائے باقی کے ساتھ ہے۔

انسان کی حقیقت

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

یورپ کا فکری غلبہ

ہر تہذیب جب برسرِ اقتدار آ جاتی ہے اور وسیع و عریض خطۂ ارضی پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو پھر وہ اپنے مخصوص تصورِ انسان، تصورِ زندگی اور تصورِ کائنات کے مطابق انسانی زندگی اور اس کے متعلقات کی از سرِ نو تشکیل اور تدوین کرتی ہے۔ نئے افکار، نئے اقدار اور نئے اخلاق و کردار کو رواج دیتی ہے۔ پرانے تصورات کی جگہ نئی توجیہات پیش کرتی ہے۔ علوم و فنون کو نیا رُخ اور نئی ترتیب دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نقطۂ نظر زندگی کے ہر گوشہ میں حاوی آجاتا ہے پھر وہ انا ولا غیری کا نعرہ بلند کرتی ہے۔ مفتوح اور پس ماندہ اقوام اس کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

گذشتہ چند صدیوں سے دُنیا کا قافلہ سالار افرنگ بنا ہوا ہے۔ افرنگی تہذیب آج دُنیا کی غالب تہذیب ہے۔ اس کی چمک دمک کے سامنے سب کی آنکھیں خیرہ ہو گئی ہیں۔ علوم و فنون اور حکمت و فلسفہ کی تدوین اُس نے اپنے نقطۂ نظر سے کی ہے۔ اُس نے نیا تصورِ انسان، نئی اقدارِ حیات اور نئے معیارِ کردار کو رواج دیا ہے۔ انسان اور کائنات کے متعلق یورپ نے خالص مادی اور لادینی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ کائنات میں اور انسان کے اندر اسے صرف مادہ کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس کے نزدیک انسان بھی ایک حیوان ہے۔ بس ذرا اعلیٰ درجہ کا حیوان ہے۔ اس لیے انسانی زندگی کے لیے محرکِ عمل اور مقصودِ کد و کاوش بھی یا شکم پروری ہے یا شہوت برآری۔ عقلِ انسانی کو بھی وہ مادہ سے ہی مستخرج مانتا ہے۔ زندگانی کے مسائل کو حل کرنے میں وہ عقل کے وسیلہ کو کافی اور وافی سمجھتا ہے۔ رُوح کے وجود کا وہ منکر ہے۔ خدا اور آخرت کا وہ عملاً انکاری ہے۔ مذہب اور اخلاق سے وہ بے نیاز ہے۔ یہ وہ بنیادی افکار و تصورات ہیں جن پر یورپ نے اپنی تہذیب و تمدن کا عظیم الشان محل تعمیر کیا ہے۔